

# حق اور باطل

(نعیم صدیقی)

قرآن میں حق و باطل کی آویزش کے سلسلے میں مختلف مواقع پر حسب ذیل آیات وارد ہوئی ہیں:-

(۱) ————— وما خلقنا السماء  
والارض وما بينهما العین ۛ لو  
اسر دنا ان نتخذ لھواً لآتخذنہ  
من لدنا ان کنا فعلین ۛ بل نقذت  
بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا  
ھو فاجق ۛ (الانبیاء)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے اندر جو  
کچھ ہے، اسے کھیل تماشے کی حیثیت سے پیدا  
نہیں کیا۔ اگر ہم ابسا چاہتے کہ اسے آسمان  
تفرک بناؤں تو ہم یقیناً با اختیار خود کسی کی مراء  
کے بغیر) اسے ایسا ہی بنا لیتے۔ ————— بنسرتیکہ  
ہم ہی کرنے والے ہوتے لیکن ہم نے ایسا

نہیں کیا ہے، بلکہ کائنات کو ایسے اصول و مقصد کے ساتھ بنایا ہے کہ اس اصول و مقصد کے پیش  
نظر ہم حق کو باطل سے ٹکراتے ہیں، پھر وہ (حق) اس کا زباطل کا) سرکھل دیتا ہے) یہاں تک کہ پھر  
وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتا ہے۔

(۲) ————— وقل جاء الحق وزھق  
الباطل ۛ ان الباطل کان زھوقاً ۛ

اور کہہ دو کہ (لو) حق آپہنچا اور باطل میدان چھوڑ کر  
بھاگ نکلا۔ بلاشبہ باطل تو ہے ہی بھاگنے والا!

(۳) ————— الم ترکیف ضرب  
اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مثال دیکر  
کہ پاکیزہ اصول: ایک ایسے پاکیزہ درخت کی طرح

اصلھا ثابت و فروعھا فی السماء،  
توئی ۛ کلمھا کل حین باذن ربھا —

ہے جس کی جڑ خوب اچھی طرح (زمین میں) اتری  
ہوئی ہو اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوں،

ومثل کلمۃ نجیثۃ کشجرۃ نجیثۃ  
اجتثت من فوق الارض ما لھا

اور جو ہر وقت اپنے برگ و بار لارہا ہو۔

اور (دوسری طرف) ناپاک اصول کی مثال اس

اور (دوسری طرف) ناپاک اصول کی مثال اس

من قرأ سراً  
 اور پاک درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر ہی  
 اوپر سے پھوٹ نکلا ہو، اُس کے لئے کچھ بھی پائڈاری نہیں ہے۔

(۴) ————— انزل من السماء ماء

فسألتُ اوديةً بعدَ سرحا فاحتل  
 السيلُ من بعدِ اترابياط ومما يوقدون  
 عليه في الناس ابتغاء حلية او متاع  
 من بعد مثله ط كذا كك يضرب الله الحق  
 والباطل ط فاما الزبد فيذهب جفاء  
 واما ما ينفع الناس فيمكث في الارض۔

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، تو ندی نالے اپنے  
 اپنے تقدیر بھر (پانی لے کر) بے نکلے، پھر وہ سیل  
 اپنے اوپر سچولا ہوا جھاگ اٹھا لیتا ہے۔ اور اسی  
 طرح زیور اور دوسری ضروریات بنانے کے لئے  
 آگ میں جو کچھ (دھاتیں) پگھلاتے ہیں اُس پر سچی جھاگ  
 آجاتا ہے۔ ————— ٹھیک اسی طرح اللہ حق اور

باطل (کی حقیقت) کو بیان کرتا ہے۔ ————— تو

پھر جہاں تک جھاگ کا تعلق ہے وہ تو سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے، اور جو کچھ کہ نوع انسانی کے لئے نفع بخش ہے  
 وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔

ان آیات کا مشابہ لکل واضح ہے۔ ان میں ایک حقیقت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ دنیا کا نظام ایسے اصولوں پر  
 بنایا گیا ہے کہ اس میں حق اور باطل دونوں قوتیں بالکل الگ الگ اور متمیز ہو کر باہم ٹکراتی ہیں، دوسری حقیقت  
 یہ بیان کی گئی ہے کہ فتح اور پائڈاری اور استقلال و استقرار تمام تر حق، راستی، نیکی اور خیر کے لئے ہے، بخلاف  
 اس کے، باطل، جھوٹ، بدی اور شر کے لئے شکست، ناپائڈاری، عدم استقلال اور عدم استقرار مقدر ہے  
 دوسرے نظموں میں کوئی مستقل قدر اگر ہے تو حق میں ہے، باطل کی ساری قدر نمانشی ہے۔

یہ آیات جس ماحول میں نازل ہوئی تھیں اس میں حق اور باطل یا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان عملاً ایک  
 سخت درجے کی کشمکش ہو رہی تھی اور عین اس کے درمیان حامیانِ حق کو یہ اطمینان دلایا جا رہا تھا کہ پورا نظام کائنات  
 حق ہی کے لئے سازگار ہے باطل کی عارضی نشوونما اگر ہوتی بھی ہے تو فطرتِ عالم کے تقاضے پر حال اس کے  
 خلاف ہوتے ہیں، پس تم حامیانِ باطل کے کہو فرسے غرور ہوئے بغیر جدوجہد جاری رکھو، آخر کار یہ بازی

تمہارے ہاتھ رہے گی۔ چنانچہ ان آیات سے اسلامیانِ عرب نے وہ جذبہ یقین صحیح طریق سے اخذ کیا جس کے کار فرما ہو جانے کے بعد وہ اس واقعہ سے ہر سال ہوئے کہ مشرکینِ عرب ہی نہیں، گمراہوں کی تمام اقوامِ باطل کی دنیا دہلی پر زندگی استوار کئے ہوئے ہیں اور مٹھی بھر لوگ حق کے علمبردار بن کر نکل رہے ہیں، اور نہ وہ اس صورتِ حال سے پریشان ہوئے کہ وہ نظامِ حق جو کئی صدیوں سے معرضِ تعطیل میں ہے آخر وہ آج کیسے غالب آسکتا ہے۔ چنانچہ ان کی جدوجہد کے نتائج نے ان پر عملاً ثابت کر دیا کہ قرآن نے حق و باطل کی کشمکش کا جو فلسفہ پیش کیا تھا وہ ایک اٹل فلسفہ تھا۔

وہ فلسفہ آج بھی اٹل ہے، اور آج بھی ہم اس سے جذبہ صادق اخذ کرنے کے ضرورت مند ہیں، کیونکہ ہم بھی حق و باطل کی کشمکش کے طوفان میں کھڑے ہیں۔

لیکن ان آیات کے صحیح مفہوم کو نہ پاسکنے کی وجہ سے بعض اصحاب کو سخت غلط فہمی ہوتی ہے۔ چنانچہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب لوگ اسلام اور اس کے اصولوں کو بروئے استدلال پوری طرح حق ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے، تو پھر وہ اپنے فوق العقلی عدم اطمینان کو اس دلیل سے ظاہر کرتے ہیں کہ اگر نیکی و حقیقت کوئی مستقل قدر رکھتی ہے اور فطرتِ انسانی سے اسے خصوصی مناسبت ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نیکی کم ہے اور بدی کا زور ہے، سچائی پر کار بند ہونے والوں کی تعداد قلیل ہے اور جھوٹ کو اختیار کرنے والوں کی بھاری اکثریت ہے؟ اور پھر یہ کہ اگر اسلام نظامِ حق تھا تو آخر وہ چلا کے روز بے کل نہیں ہی سال؟ پھر آئندہ کے لئے اس سے کیا توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں؟

یہ سوال مسلمان کہلانے والے بعض خاص اقسام کے مخالفینِ نظامِ اسلامی کی طرف سے بار بار اٹھایا جاتا ہے۔ چنانچہ شروع میں جب پاکستان میں نظامِ اسلامی کا مطالبہ ابھرا تو یہ سوال زور شور سے سامنے آیا لیکن پھر دب گیا۔ اب پھر جب اسلامی دستور کی تحریک عروج پر آ رہی ہے اور انقلابِ قیادت کا مرحلہ سامنے ہے یہ سوال پھر اٹھایا گیا ہے۔ گزشتہ ہفتے عشرہ میں متعدد اصحاب کی زبان سے یہ سوال سننے میں آیا۔ ہمارے اس سے پہلے بھی اس کا جواب دیا گیا تھا اور اب پھر اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس وال کو دراصل مذکورہ بالا آیات کے منشاء کے ٹھیک ٹھیک خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ مذکورہ آیات کا

مقصدِ نزول یہ تھا کہ مسلمان جس حق پر عقل و وجدان کے لحاظ سے ایمان لاچکے تھے اس کے لئے کشمکش کرتے وقت یہ یقین رکھیں کہ کامیابی ہے ہی حق کے لئے، اور اس یقین کی وجہ سے ان کا عزم اور ولولہ تازہ رہے۔ لیکن پیش نظر سوال کو اس لئے استعمال کیا جا رہا ہے کہ آج جو لوگ عقل و وجدان کے لحاظ سے اسلام پر ایمان لا کر اس کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہیں کم از کم ان کے عزم کو متزلزل کر دیا جائے، اور غیر شعوری طور پر وہ اسلام کے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جائیں کہ اس میں کوئی نہ کوئی کمزوری ایسی موجود ہے کہ یہ ادل تو اپنے غلبے کے لئے سخت ترین جدوجہد چاہتا ہے اور پھر اگر اسے غلبے بھی تو اس میں زوال و اختلال بہت جلد نمودار ہو جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ سوال جس سطحی طریق سے اٹھایا جاتا ہے، اسی سطحی سماعت کے ساتھ اُسے سنایا جاتا ہے پھر نہایت سطحی نگاہ سے اس سوال کی روشنی میں انسانی تاریخ و تمدن کو دیکھا جاتا ہے، اور علیٰ ہذا القیاس بالکل سطحی تسکیر کے ساتھ اس سے کوئی نتیجہ برآمد کر لیا جاتا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں ان تمام ضروری امور کو نمایاں کر دیں جن پر اچھی طرح نظر نہ رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سوال کو دو حصوں میں تقسیم کریں:

۱۔ یہ کہ کیا حق ناکام ہے اور باطل کامیاب؟

دوسرے یہ کہ نظامِ حق صرف تیس سال ہی کیوں چلا؟

### پہلا سوال

پہلے سوال کے جواب میں جو بات اول قدم پر جان لینے کی ہے وہ یہ ہے کہ حق کی ناکامی اور باطل کی کامیابی اصولاً کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ کامیابی اور ناکامی کا تعلق خود انسان سے ہے۔ اگر بالفرض سارے انسان مل کر حق کو قبول کرتے سے انکار کر دیں تو پھر بھی حق ناکام نہیں ہوتا، ناکام وہ انسان ہی ہوتے ہیں جنہوں نے حق کو قبول کرنے سے گریز کیا اور اس کے فوائد سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے۔ سچائی ایک اصول ہے اور اگر وہ اصول حق ہے تو خواہ اسے ساری دنیا قبول کر لے، یا کوئی ایک متنفس بھی اختیار نہ کرے وہ بہر حال ایک اصولاً

ہی رہے گا، جیسے صفائی اور طہارت ایک ایسا فنی اصول ہے جو بجائے خود حق ہے، اسے کوئی مانے تو بھی یہ حق ہے اور کوئی ایک متنفس بھی اس پر عمل پیرا نہ ہو تو بھی یہ حق ہی رہے گا۔ کامیاب ہم ان انسانوں کو سمجھیں گے جو اس اصول حق کو اپنائیں۔

پھر روشنی کی مثال لی جا سکتی ہے کہ ایک شخص روشنی کو پسند نہیں کرتا اور وہ آنکھیں بند کر کے چلتا ہے تو اس کے نتیجے میں ٹھوکر میں وہی خود کھائے گا اور ناکام بھی وہی ہوگا، روشنی کی ناکامی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ روشنی کو نہ کسی خاص منزل پر پہنچانا ہے، نہ پاؤں چلانا ہے، نہ ٹھوکر میں کھانے کا کوئی خطرہ درپیش ہے، اور نہ کامیابی و ناکامی کے درمیان وہ معلق ہے۔ اُسے کوئی پوری طرح ٹھنک بھی کر دے تو بھی ناکام وہ خود ہوگا۔ اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر آگے چلیے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے ہی کہ جسے اندھیرا پسند ہوا سے کوئی خاص اہتمام

**حق کی گرانی اور باطل کی ارزانی**

نہیں کرنا پڑتا، لیکن جو کوئی روشنی چاہے اُسے دیئے اور تیل بتی اور

چراغ دان کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ آپ اپنی صحت بگاڑنا چاہیں تو یہ کام ہر لحاظ سے آسان ہے، لیکن بگڑی ہوئی صحت کو بنانا ہو یا اچھی صحت کو بحال رکھنا ہو تو تازہ ہوا، ورزش، غسل اور صفائی، غذا کی درست سولے جاگنے اور کام کے اوقات کی باقاعدگی اور جذبات و اخلاق کی نگہداشت کے لئے خاص طور پر فکر کرنی ہوگی۔ زیادہ آسانی سے یہ بات یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ اگر ایک پہاڑ کی اونچی چوٹی سے نیچے لڑھکنے ہو تو اس "تصدیلہ" کے لئے سوائے اس کے اور کچھ نہ کرنا پڑے گا کہ آپ ایک دفعہ لڑھکنے کے لئے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیں، بخلاف اس کے اگر آپ نیچے سے اُس چوٹی تک پہنچنا چاہیں تو آپ کو کشش زمین کے خلاف زور لگانا پڑے گا، قدم ٹھکیں گے، دم چھو لے گا، اعصاب پر بار پڑے گا، دوران خون تیز ہوگا، قلب زور سے دھڑکے گا، پسینہ آئے گا اور جب کہیں جا کر آپ چوٹی پر پہنچیں گے۔ یہی معاملہ نیک اور بدی اور حق اور باطل کے بارے میں پیش آتا ہے۔ آپ کو سیرت بد مطلوب ہو تو کسی بڑی محنت کی ضرورت نہ ہوگی، لیکن سیرت نیک کی تعمیر میں بڑی مشقت کرنی ہوگی اور پھر اس کی حفاظت کا انتظام کرنا ہوگا، آپ بدنامی کی متاع خریدنا چاہیں تو کوئی بڑی قیمت صرف نہیں ہوتی، لیکن نیک نامی اور عزت و آبرو کی جنس پر عمر بھر کی کمائی کھپانی پڑتی ہے و آپ اپنی کیفیت میں اگر جھاڑ جھنکاراگانا چاہیں تو نہ ہل چلانا ضروری، نہ سہاگہ پھیرنا ضروری، نہ پانی اور کھاد دینا

ضروری، نہ باڑ لگانا اور نکالی کرنا ضروری، بلکہ یہ "قیمتی فصل" خود بخود نشوونما پاتی رہے گی، اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کھیتی کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ لیکن اگر آپ کوئی باغ اور چمن، اگانا چاہیں، یا غلے اور دوسری قیمتی اجناس کی فصل اٹھانا چاہیں تو اس کے لئے زمین جو تیس گے، بوئیں گے، پانی اور کھاد دیں گے، نکالی کریں گے، باڑ لگائیں گے، جب کہیں جا کر مدعا حاصل ہوگا حق کے لئے مشقت ضروری ہے اور باطل بغیر مشقت کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ خیر پر بہت بڑی قیمت صرف ہوتی ہے اور شر کوڑیوں کے مول، بلکہ مفت ٹٹا یا جا رہا ہو اخلاقی صفائی اور طہارت کے لئے بڑا انتظام ضروری ہے، لیکن اخلاقی غلاظت کے لئے صرف تغافل و تامل کا اہتمام کافی ہے۔

اب فرض کیجئے کہ ایک شخص اچھی فصل لینے کے لئے محنت کرنے سے کتراتا ہے اور زمین کو بخر چھوڑ دیتا ہے تو ناکامی اس کی ہوئی یا اچھی فصل کی؟ ایک شخص حفظِ صحت کی فکر نہیں کرتا اور بیمار پڑتا ہے تو ناکامی صحت کے اصول کی ہوئی یا بیمار پڑنے والے کی؟ ایک شخص حق اور راستی کی دولت اور نیکی اور خوش خلقی کی ستارے بیش بہا کو خریدنے کے لئے محنت کی قیمت صرف کرنے پر تیار نہیں ہوتا تو ناکامی حق اور نیکی کی نہ ہوگی، خود خریدار کی ہوگی۔

یہ بات کہ حق قیمتی ہے اور باطل ارزاں ہے یا نیکی کے لئے محنت کی ضرورت ہوتی کثرت و قلت کا معیار ہے اور بدی کے لئے تن آسانی سے زیادہ کسی محنت کی ضرورت نہیں ہوتی، اس سے قطع نظر کہ لوگ جب اس امر واقعہ کو دیکھتے ہیں کہ اہل حق کم ہیں اور بندگان باطل کی کثرت پائی جاتی ہے اور نیکی پر کاربند ہونے والوں کا تناسب بدی میں مبتلا ہونے والوں سے زیادہ نہیں ہے تو وہ سوچتے ہیں کہ یہ حق کیسا حق ہوا اور یہ نیکی کیسی نیکی ہوئی جسے قبول کرنے والے ہمیشہ اقلیت میں رہتے ہیں اور اکثریت باطل کے خدمت گزاروں اور بدی کے مسلک کے علمبرداروں کی رہتی ہے۔

مگر اس کا کیا علاج کہ نظامِ فطرت تمام تر اس طرز پر مبنی ہے کہ اس میں جو چیز قیمتی ہے وہی کم بھی ہوتی ہے اور اس سے حصہ پانے والے خوش نصیب لوگ بھی ہمیشہ کم ہوتے ہیں، لیکن دوسری طرف جو چیز جتنی گھٹیا ہے وہ اتنی ہی زیادہ بھی ہوتی ہے اور اس سے دامن بھرنے والوں کی ہمیشہ اکثریت ہوا کرتی ہے۔ لیکن کیا

گھٹیا چیز کی کثرت اسے قیمتی بنا سکتی ہے اور قیمتی چیز کی قلت و گرائی اسے گھٹیا بنا سکتی ہے؟ یقیناً نہیں!

خدا کی بنائی ہوئی اس دنیا میں اونٹ کٹارا، بھٹ کٹیا اور جھاڑ جس کثرت سے آگے ہیں اس کے مقابلے میں یاسمین و گلاب اور ناز و نرگس ہمیشہ کم ہوتے ہیں۔ یہاں بھوسے کے انبار کے انبار پائے جلتے ہیں لیکن سنبل و ریحان کا جمال کیا بے۔ یہاں سنگ ریزوں کی بے پناہ اکثریت ہے لیکن ہیرے اور جواہر انتہائی اقلیت رکھتے ہیں۔ یہاں تانبے پتیل اور ٹین کی بڑی بڑی مقداریں ہر روز کانوں سے برآمد ہو رہی ہیں، لیکن سونا بہت تھوڑی مقدار میں نکلتا ہے۔ یہاں سمندر کی ہر موج سینکڑوں خرف ریزے اچھالتی رہتی ہے، لیکن وہ صدق جس سے موتی برآمد ہو، شاذ و نادر ہی ہاتھ آتا ہے۔ یہاں جب دو دو کو بلویا جاتا ہے تو چھ اچھ کی بہت بڑی مقدار حاصل ہوتی ہے لیکن مکھن جو اس سے نکلتا ہے مقدار کے لحاظ سے چھ اچھ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہاں جنگوں میں ہزار ہا ہرن پھلانگتے پھرتے ہیں لیکن مشک ختن جن کے نافوں سے حاصل ہوتی ہے وہ قلیل التعداد ہیں۔ یہاں یا وہ گوئی کے نمونے دن رات سڑکوں اور بازاروں اور مجلسوں میں سلسلے آتے رہتے ہیں، لیکن ادب و شعر کے حسین و جمیل نمونوں کا تناسب بہت ہی کم رہتا ہے۔ یہاں بیماریوں جیسی نامطلوب شے عام ہے لیکن معیاری صحت جیسی جنس مطلوب کم ہی لوگوں کو حاصل ہے لیکن آخر اس سے نتیجہ یہ کیسے نکل آئے گا کہ یاسمین و گلاب، سنبل و ریحان، سونے، موتی، جواہرات، مکھن، آہوئے ختن، ادب و شعر اور صحت کے لئے ناکامی ہے کیونکہ وہ مقدار و تعداد کے لحاظ سے کم ہیں، اور دوسری طرف اونٹ کٹارے، بھٹ کٹئے، بھوسے، تانبے، پتیل، ٹین، خرف، چھ اچھ، آہوئے بے نافہ، یا وہ گوئی اور بیماریوں کے بننے کا میا بی ہے، کیونکہ وہ تعداد و مقدار کے لحاظ سے پیش پیش ہیں؟

یہ نہ بھولنے کہ قیمتی چیز کی کم مقدار گھٹیا چیز کی زیادہ مقدار کو خرید سکتی ہے۔ جب دونوں متقابلاً ایک ہی منڈی میں سامنے رکھی جائیں تو حق اور خیر کی اقلیت باطل اور شر کی اکثریت سے زیادہ قیمت پائے گی۔ یعنی مدعا ہے اس آیت کا کہ:

لا یستوی الخبیث والاطیب، ولو  
ردی چیز اور پاکیزہ چیز برابر نہیں ہو سکتیں، پانچ تھوڑے  
عجباً کثرت الخبیث!  
ردی چیز کی کثرت مرعوب ہی کیوں نہ کرتی ہوا

فطرت نے ہر گھٹیا چیز کو اس لئے عام کیا ہے کہ اس کی قیمت گرا دے اور اسے ذلت کے مقام پر رکھے اور اُس نے ہر اعلیٰ چیز کو اس لئے کم رکھا ہے کہ اس کی قدر بڑھے، وہ گراں بہا ہو اور وہ تمام اہل عرف کی نگاہوں میں عزت حاصل کرے۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ فطرت اس ترتیب کو الٹ دیتی اور اُس کی مارکیٹ میں سونا ارزاں ہوتا اور لوہا اور ٹین گراں بہا ہوتا؟ وہ یاسین و کلاب کو ہر طرف اگاتی پھرتی اور جھاڑ جھنکاراگانے کے لئے محنت و مشقت کا مطالبہ کرتی؟

ادب و شعر کی صلاحیت اس کے ہاں سے ہر کس و نا کس کو ارزانی ہوتی اور یا وہ گوئی کا آرٹ پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ درجے کے مخصوص دماغ کم تعداد میں فراہم کئے جاتے؟ صحت و تندرستی کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہ ہوتی، بلکہ محنت و اہتمام کی ضرورت بیمار ہونے کے لئے پڑتی؟ تعمیر صفت میں ہوتی اور تخریب کے لئے انسان کو قوتیں صرف کرنی پڑتیں؟ آدمی روشنی بہم پہنچانے کے لئے کسی ساز و سامان کا منت کش نہ ہوتا بلکہ الٹا اسے چراغوں اور بجلی کے قہقروں کی جگہ ایسے آلات کی احتیاج ہوتی جو اندھیرا پھیلا سکیں؟ بلندی کی طرف لپکنے کے لئے کوئی جسمانی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، بلکہ پستی کی طرف لڑھکنے کے لئے زور لگانا پڑتا؟ نیک بننے کے لئے کسی طرح کے تکلف کی حاجت نہ ہوتی بلکہ الٹا برا بننے کے لئے لٹریچر، تعلیم، تبلیغ، جماعت بندی اور نظام ہائے حکومت کے قیام سے مدد لینی پڑتی؟ حق پر جھننے کے لئے انسان کسی تکلیف اٹھانے کا ذمہ دار نہ ہوتا اور نہ انبیاء و کتب کا سلسلہ جاری کرنا پڑتا، بلکہ یہ سب کچھ ہوتا تو فروغِ باطل کے لئے ہوتا؟

دوسرے نغظوں میں یہ کہیے کہ آدمی کو جنت تو ملتی مفت میں، البتہ جو شخص دوزخ میں جانے کا خواہشمند ہوتا، اس کو خاص طور پر اس مقصد کے لئے ریاضتیں کرنی پڑتیں!

ذرا موجودہ نظامِ فطرت کی ترتیب کو الٹ کر غور تو فرمائیے کہ کس طرح کا نقشہ مترتب ہوتا ہے! اس نظامِ فطرت کے اندر عالمِ انسانی میں بھی اعلیٰ خدمات انجام دینے کی صلاحیتیں رکھنے والے کم ہوتے ہیں اور معمولی قسم کے افراد زیادہ ہوتے ہیں۔ اہل حکمت، موحیدین، معلمین، مصلحین، ہنرور، مقرر، ادیب، شعراء، لیڈرز اور اس طرح کے افراد کی تعداد کبھی بھی عامیوں سے زائد تو کجا برابر بھی نہیں ہوا کرتی۔ ان



مناصب پر آنے کے لئے جہاں غیر معمولی فطری صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں، وہیں اکتسابی لحاظ سے بھی محنتیں اور ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن عامی بننے کے لئے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ ٹھیک یہی صورت حق کے اصولوں پر جتنے، نیکی کو مشعلِ راہ بنانے اور اعلیٰ سیرت تعمیر کرنے والوں کی بھی ہے کہ انہیں کچھ تو فطری طور پر سلامتی طبع کی ضرورت ہوتی اور پھر اکتسابی طور پر بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہی بات تھی جسے علامہ اقبال نے یوں پیش کیا کہ :-

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و در پیدا پس حق پر جتنے والوں اور نیکی پر کار بند ہونے والوں کی کمی یہ معنی نہیں رکھتی کہ حق اور نیکی ناکام قوت ہے، اور نہ باطل اور بدی کی راہ پر چلنے والوں کی کثرت اس کی دلیل ہے کہ باطل اور بدی کامیاب قوت ہے! صحیح طریقہ استدلال یہ ہے کہ کامیاب وہ لوگ ہیں جو حق کی رفعتوں کی طرف بڑھنے کے لئے ضروری محنت کر سکیں اور ناکام وہ لوگ ہیں جو حق کی منزلِ بلند کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے اور باطل کے گڑھوں میں سہولت پسندی کی وجہ سے پڑے رہ گئے۔ زیادہ لوگ اگر گڑھے میں پڑے رہیں تو گڑھا پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں سے بلند نہیں قرار دیا جاسکتا اور کم لوگ اگر چوٹی پر پہنچے ہوں تو چوٹی گڑھے سے پست نہ ہو جائے گی۔

برائی بھلائی کے روپ میں | فرض کیجئے کہ "پلٹن چائے" بہت ہی کامیاب اور مقبول ڈوبائے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دوسری فرم جو پلٹن کے درجے کی چائے فراہم نہیں کر سکتی، بلکہ وہ اپنی چائے کو گھٹیا پاتی ہے، اگر میدان میں آنا چاہے تو وہ کونسی چال چلے گی؟ — وہ یہ کہے گی کہ اپنے ہاں کی چائے کا نام پلٹن سے ملتا جلتا رکھنے گی، ٹریڈ مارک اس کے مشابہ بنائے گی، بیس بھی اسی کے انداز کا بنائے گی، اور کوشش کرے گی کہ بہت سے لوگ محض ذریعہ نظر کی وجہ سے اس کا مال خریدیں اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ ان طریقوں کو اختیار کر کے یہ نئی فرم خود اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ واقعی پلٹن کی چائے بہت ہی اعلیٰ درجے کی چائے ہے اور پھر وہ اپنا کاروبار جتنا بھی پھیلائے گی، درحقیقت اتنا ہی زیادہ وہ خود پلٹن چائے کے لئے میدان ہموار کرے گی۔ اسی طرح جو صراف پیتل کی انگلیٹھی پر سونے کا طبع کر کے زار میں پیش کرتا ہے وہ خود سونے کی قدر و قیمت کا اعتراف کرتا ہے۔

بالکل ایسے ہی اگر آپ انسانی تاریخ تمدن اور تاریخ اخلاق کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ باطل اور برائی جب کبھی بھی میدان میں لائے گئے ہیں حق اور نیکی کے روپ میں لائے گئے ہیں۔ گناہ کو ہمیشہ کامیاب ہونے کے لئے صواب کا جامہ آراستہ کرنا پڑا ہے اور شر کو فروغ حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ خیر کی نقل اتارنی پڑی ہے۔ باطل اور بدی کے اس طریق کار کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ باطل اور بدی اور نظام فاسد اور ان کے علمبرداروں نے اس بات کا خود اعتراف کر کے اپنی مساعی شروع کی ہیں کہ قدر و قیمت اگر ہے تو حق اور خیر کے لئے ہے اور کامیابی اگر حاصل ہو سکتی ہے تو راستی اور نیکی اور نظام فلاح ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔

آپ نے ہر جھوٹے کو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرتا ہے، لیکن کسی سچے کو بھی آپ نے دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کرے؟ آپ نے ہر دعوتِ شر دینے والے کو خیر کی علمبرداری کا اعلان کرتے ہوئے پایا ہوگا، لیکن کبھی آپ نے ایسا بھی منظر دیکھا کہ کوئی دعوتِ خیر دینے والا شر کی علمبرداری کا اعلان کر رہا ہو؟ آپ نے ہر خادمِ باطل کو اپنے بربر حق ہونے کے دلائل دینے ہوئے ملاحظہ فرمایا ہوگا، لیکن کبھی کسی صاحبِ حق کو بھی یہ استدلال کرتے دیکھا ہے کہ میں خادمِ باطل ہوں؟ آپ نے غیر اسلامی نظاموں کے قیام کی جدوجہد کرنے والوں کو بار بار دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو عین حاملِ اسلام حیثیت سے پیش کرتے ہیں لیکن کیا کبھی آپ نے اسلامی نظام کے کسی داعی کو بھی غیر اسلامی نظام کے خادم کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کرتے دیکھا ہے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ پتیل پر لوگ سونے کا طبع کر کے لاتے ہیں لیکن سونے پر کسی صراف نے پتیس کا طبع کبھی نہیں کیا؟ کیا وجہ ہے کہ گھٹیا مال بیچنے والے لوگ اعلیٰ مال بنانے والوں کی نقل کرتے ہیں؟ لیکن اعلیٰ مال بنانے والے نقلی مال بیچنے والوں کی نقل نہیں کرتے؟

اس کی وجہ ظاہر ہے۔ دراصل فطرت کے نظام میں اور انسانی تاریخ کے بازار میں اصل کامیابی حق اور نیکی ہی کے لئے مقدر ہے، یہی وجہ ہے کہ باطل اور برائی کے سوداگر جب بھی اپنا مال لاتے ہیں تو اس کو حق اور نیکی کے رنگ میں رنگ کر لاتے ہیں۔ وہ جھوٹ کو لاتے ہیں لیکن سچائی کے لیبل کے ساتھ، وہ ذلت کو لاتے ہیں لیکن عزت کے بسائے بورڈ کے ساتھ، وہ شر کو لاتے ہیں لیکن خیر کے ٹریڈ مارک کے ساتھ، وہ مفاد پرستی کو

لاتے ہیں لیکن خدمت کا عنوان دے کر، وہ مسفرت کو لاتے ہیں لیکن افا دیت کارنگ روغن چڑھا کر! نیکی اپنے نام کے ساتھ آتی ہے، بدی کے نام کے ساتھ نہیں آتی، لیکن دوسری طرف بدی کبھی اپنے نام کے ساتھ نہیں آتی، نیکی کے نام کے ساتھ آتی ہے۔ خیر ٹھیک ٹھیک اپنے روپ میں آتا ہے، شر کے روپ میں نہیں آتا، لیکن شر اپنے روپ میں نہیں آتا بلکہ خیر کے روپ میں آتا ہے۔ حق پوری طرح بے نقاب ہو کر نمودار ہوتا ہے، اپنے چہرے پر باطل کی نقاب نہیں ڈالتا، لیکن باطل میں بے نقاب ہو کر آنے کی جرات نہیں نہیں، وہ مجبور ہے کہ حق کی نقاب اوڑھ کر آئے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق اور نیکی ہی کے لئے اصل کامیابی ہے۔ وہ خود تو کجا ان کا نام بھی اتنا کامیاب ہے کہ باطل اور بدی بھی اسی نام کا سہارا لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس نام کا سہارا لینے بغیر وہ یکسر ناکام ہیں۔ باطل اور بدی کا حق اور نیکی کے نام یا روپ کو استعمال کرنا خود اس بات کی شہادت ہے کہ بازار حیات میں سارا فروغ حق اور نیکی کے لئے ہے۔

رہی یہ بات کہ حق کے روپ میں جو باطل لایا گیا ہو اس سے کتنے گاہک دھوکا کھا گئے یا نیکی کے بسبب سے جو بدی پیش کی گئی تھی اس سے کتنے خریداروں کی نظر بند ہو گئی، اس سے حق کی قدر و قیمت اور نیکی کی کامیابی اور مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر کسی بازار صرفہ میں ہزاروں گاہک بھی روزانہ ملمع کی انگوٹھیاں سونے کے بھاؤ خرید لے جائیں تو اس سے سونے کی کامیابی ناکامی سے اور پتیل کی کم قدری قیمت کی گرانی سے نہیں بدل جاتی۔ کامیابی اور ناکامی تو ساری خریداروں کی ہوگی کہ وہ کھرے اور کھوٹے کی تمیز کرنے میں چاہک دستی دکھاتے ہیں یا کوتاہی!

حق — اس کے جو جو بھی اصول ہیں، وہ از آدم تا اس دم ایک ہی رہے ہیں۔ لیکن باطل ان اصولوں کے جواب میں کوئی ایسے اصول نہیں لے کے آتا جو شروع سے اب تک ایک ہی رہے ہوں۔ باطل ہر دور میں نئے اصول لے کر اٹھتا ہے، نیا فلسفہ بناتا ہے، نیا استدلال گھڑتا ہے، نیا روپ دھارتا ہے، نئی قدریں لے کے آتا ہے اور پھر حق سے مقابلہ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ شکست کھاتا ہے اور میدان چھوڑ دیتا ہے۔ پھر جا کر از سر نو کچھ اور اصول تلاش کرتا ہے۔

کچھ اور فلسفہ گھڑتا ہے، کچھ اور استدلال بناتا ہے اور پھر نئے لاؤ لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے۔ پھر شکست کھاتا ہے تو کسی نئے رنگ میں ابھرتا ہے۔ اس کا کوئی اصول پائدار نہیں، کوئی رنگ پختہ نہیں، کوئی فلسفہ اٹل نہیں، کوئی استدلال ایسا نہیں جو پائے چوبیس نہ رکھتا ہو۔

بجائے اس کے حق ہر دور میں ایک ہی اصول رکھتا ہے، ایک ہی فلسفہ سامنے لاتا ہے، ایک ہی استدلال پیش کرتا ہے، ایک ہی اس کا روپ ہوتا ہے، اور باطل کے ہر حملے کے جواب میں وہ اپنے ایک ہی ناقابل فتح ہتھیاروں سے جنگ آزما ہوتا ہے۔ حق کی فرم کے مقابلے میں ہزاروں فرمیں قائم ہوتی ہیں اور ٹوٹ جاتی ہیں پھر بنتی ہیں، پھر ٹوٹتی ہیں، لیکن وہ فرم بدستور اپنی جگہ جمی رہتی ہے۔

حق نے کہا خدا ایک ہے، لیکن باطل نے اس کے جواب میں کبھی دو خداؤں کا فلسفہ پیش کیا، کبھی تین خداؤں کا، کبھی بے شمار دیوتاؤں کا، کبھی ہمہ اوست کا، کبھی اتحاد و دہریت کا، کبھی "اندھی قوت" کی خدائی کا، اور وہ برابر نت۔ نئے فلسفے گھڑتا جا رہا ہے، لیکن حق آج بھی کہتا ہے کہ اس کائنات کا ایک ہی خدا ہے۔ حق نے کہا کہ سچائی، دیانت، پاس عہد، حفظ عصمت، احترام ملکیت، ہمدردی و اخوت، انسانی جان کا احترام انسانی اخلاق کے بنیادی اصول ہیں۔ باطل نے اس کے جواب میں قسم قسم کے اخلاقی نظریے گھڑے، لیکن حق آج بھی اپنے اصولوں کی طرف بدستور دعوت دیتا ہے اور وہی اصول آج بھی فطرت انسانی سے ملا لبت رکھتے ہیں۔

باطل کی ناکامی کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آج تک وہ کوئی اٹل اصول انسانیت کے سامنے نہ رکھ سکا۔ وہ کوئی دعویٰ فطرت انسانی سے مستقل طور پر منوانہ سکا۔ آج ایک چیز پیش کی اور کل خود ہی اس کی تردید کر دی، آج ایک نظریہ بنایا اور کل خود ہی اسے توڑ کے پھینک دیا، آج ایک تحریک کھڑی کی اور کل وہ نسیا نسیا ہو گئی، آج ایک نظام بنایا اور کل اسے خود ہی ناکارہ قرار دے کر فراموشی کے گڑھے میں پھینک دیا۔ باطل تو ایک ایسا بتدی آرٹسٹ ہے جو اپنے بنائے ہوئے ہر نقش فن پر پھر خود ہی تھوکتا ہے، لیکن حق کے آرٹسٹ نے جو نمونہ فن ایک مرتبہ پیش کر دیا وہ پھر ہمیشہ کے لئے انسانی تاریخ کے عجائب گھر کی زینت بن گیا۔

کامیابی آخر وہ ہے یا یہ !

یہ سوال کہ حق کے منسلک اور سارے موٹ کو آرٹسٹ کم سے اور باطل کے سہل اور غیر لطیف آرٹ کو آرٹسٹ بہت

ن گئے تو اس سے کسی فن لطیف کی قدر و قیمت گھٹتی ہے اور نہ کسی احمقانہ فن کی قدر و قیمت بڑھتی ہے۔ دوامی قدریں رکھنے والے آرٹ کے تھوڑے آرٹسٹ مٹا مٹا کے بنانے اور بنا بنا کے مٹانے والے آرٹسٹوں کے بڑے سے بڑے لشکر پر بھی بھاری رہیں گے۔

حق قائم بالذات ہے | آپ نے کبھی نہ دیکھا ہو گا کہ کسی کاشتکار نے پیاز یا گوکھروؤں کی فصل بوئی ہو یا طبل "طفیلی" ہے اور کوئی کھیت اسی فصل کو حاصل کرنے کے لئے جو تا اور سیراب کیا جائے، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ آپ کا آمدن فصلیں ہوتے ہیں اور ان کی اوٹ میں زمین کی زرخیزی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ غیر مطلوب قسم کی بوٹیاں اور گھاس پھونس بھی اگ آتی ہے۔ محنتی کسان ان کا استیصال کرنے کے لئے گوڑی اور نائی کرتا رہتا ہے، پھر بھی کچھ نہ کچھ طفیلی پودے مطلوبہ فصل کے حصے کی غذا اڑا کر چل جاتے ہیں۔ پھر آپ نے کبھی نہ دیکھا ہو گا کہ تنہا آکاس میں کہیں اگی ہوئی پائی جائے، اس کی نہ جڑ ہوتی ہے، نہ زمین براہ راست اسے کوئی غذا دینے پر تیار ہوتی ہے، بلکہ ہمیشہ آپ دیکھیں گے کہ آکاس میں کسی دوسرے درخت یا جھاڑی کے طفیل پرورش پاتی ہے۔

ٹھیک یہی معاملہ حق اور باطل کا ہے۔ باطل جہاں بھی پایا جاتا ہے کسی حق کے سہارے پایا جاتا ہے۔ خالص باطل دنیا میں کہیں بھی وجود نہیں رکھتا، انسانی فطرت کی کھیتی میں وہ اگر اگتا ہے تو حق کی اوٹ میں اگتا ہے، اور اس کے حصے کی غذا کے بل پر بنتا ہے یہ آکاس میں کی طرح دوسرے درختوں اور پودوں کے اوپر بھلتا اور چھوٹتا ہے۔

دنیا میں ہر برائی کسی نیکی کا سہارا لے کر جیتی ہے اور ہر گناہ کو کسی صواب کی اوٹ لیننی پڑتی ہے۔ آج تک جتنے نظام باطل سے باطل پیش کئے گئے ہیں اور دنیا میں قائم ہو سکے ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو خالص باطل اور خالص برائیوں پر مشتمل ہو، بلکہ باطل اور برائی جب بھی چلی ہے تو اس حق اور نیکی کے بل پر چلی ہے جس کا کچھ نہ کچھ جزیر نظام باطل میں شامل رہتا ہے۔

تمام نظام باطل سے باطل خالص باطل ہونے کے بجائے حق و باطل کے مرکبات ہوتے ہیں اور ان کی مقبولیت، ان کا قیام اور ان کا استحکام اور ان کا پھیلاؤ حق کی اس مقدار کے اوپر منحصر ہوتا ہے

جس کی وجہ سے وہ جی جاتے ہیں۔ نظام سرمایہ داری میں بھی باطل موجود ہے اور نظام اشتراک میں بھی باطل کا ایک بڑا جز شامل ہے، لیکن حق کی ایک مقدار اس کے ساتھ بھی ہے اور ایک اس کے ساتھ بھی ہے، اور یہی حق کی مقدار ہے جس کے سہارے دونوں کے باطل جی رہے ہیں۔ اس کے پاس بھی بعض بھلائیوں ہیں جن میں انسانیت کے لئے ایسا موجود ہے، اور اس کے پاس بھی کچھ خوبیاں ہیں جن میں فطرتِ آدم کے لئے کشش ہے۔ یہ دونوں جب بھی بناتے ہیں تو اپنے بھلائی کے پہلو سامنے لاکر بٹاتے ہیں اور لوگ اگر انہیں قبول کرتے ہیں تو ان کی بھلائیوں ہی کے لئے قبول کرتے ہیں۔ ان کی برائیاں تو ان بھلائیوں کے اوپر آکاس بیل کی طرح پٹی ہوئی ہیں کہ ان کو قبول کیجئے تو از خود ساتھ آئیں گی۔

جب کوئی نظام باطل حق کی کم سے کم مطلوبہ مقدار کو بھی کھو بیٹھتا ہے تو پھر اس کا پینا محال ہو جاتا ہے اور خالص باطل کے لئے تو دنیا میں کوئی چانس ہی نہیں!

تاریخ کو اس نقطہ نظر سے دیکھئے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نظام باطل کے قیام و بقا کا انحصار بھی اس کے جزو حق پر ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی کامیابی دراصل حق کی کامیابی ہی کا نتیجہ ہے۔ ماضی ہو یا حال، ہر اصول اور فلسفہ اور نظام اپنے جزو حق کی وجہ سے مقبول اور قیام پذیر ہوتا ہے۔

تاریخ اصولوں، فلسفوں اور نظاموں کے تصادم کی جو لانگاہ ہے۔

**حق و باطل کے مرکبات کا تصادم** | اس تصادم میں کامیابی اور ناکامی جس اصول پر ہوتی ہے وہ خود

گواہی دیتا ہے کہ کامیاب حق ہے اور باطل بہر حال ناکام ہے۔

یہ تو واضح ہے ہی کہ خالص باطل کے لئے دنیا سے انسانیت میں کوئی جگہ نہیں۔ حق و باطل کے مرکبات پائے جاتے ہیں۔ ان مرکبات میں تصادم ہوتا ہے اور ہر تصادم میں بازی اس اصول، فلسفے اور نظام کے ہاتھ رہتی ہے جس میں باطل کا تناسب کم اور حق کا تناسب زیادہ ہو۔ ۱۵ فی صدی حق اور ۱۰ فی صدی حق رکھنے والے اصول و نظام کے درمیان اگر ٹکر ہوگی تو ۱۰ فی صدی حق رکھنے والا نظام میدان مار لے گا۔ وہ ساری توڑ پھوڑ جو قرآن کی ذیل کی آیت کی رو سے ہوتی، اسی اصول پر ہوتی ہے :-

ولو لا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض ولکن اللہ ذو العرش العظیم

اگر اللہ تعالیٰ ان (اہل باطل) میں سے بعض کو بعض کے

فسدت الامراض۔ ذریعے ہٹا تازہ رہتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔

پھر قانون تصادم کے تحت قرآن کا فلسفہ یہ بتاتا ہے کہ مرکبات حق و باطل میں سے کوئی بھی جب خالص حق کے سامنے آتا ہے تو اس کے لئے آخر کار لازماً شکست متدرج ہوتی ہے۔ جن آیات کو اس مضمون کے آغاز میں درج کیا گیا ہے ان میں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ جب بھی کوئی گروہ خالص حق کو لے کر اٹھتا ہے اور اس کے لئے کما حقہ جدوجہد کرتا ہے تو آخر کار کامیابی اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ العاقبة للمتقين! انجام کار اہل تقویٰ کے لئے سہی

خالص حق کے علمبرداروں کی کمی کیوں؟

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب حق انسانی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے جب نظم کا میاب پوری طرح سازگار اسی کے لئے ہے، جب حقیقی اور پائیدار کامیابی بھی اسی کے لئے مقدر ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کے علمبردار اقلیت میں رہتے ہیں؟ اس کا جواب دہرایا جا چکا ہے۔ تاہم ایک مرتبہ پھر ہم اس جواب کو تازہ کر دینا چاہتے ہیں۔

صفائی انسانی فطرت کے مطابق بھی ہے اور صفائی میں پوری پوری افادیت بھی ہے، لیکن پھر بھی صفائی کے تقاضے پورا کرنے والوں کی تعداد کم ہے۔ اور صفائی کی نمائش کی اورٹ میں ہر طرح کی غلطیوں کو چھپا چھپا کر رکھنے والوں کی اکثریت ہے! صحت ہر شخص کو محبوب ہے اور بیماری کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا، لیکن وہ لوگ جو حفظانِ صحت کے اصولوں پر پوری طرح کار بند ہوں اور بیماری سے بچنے کی تدابیر اختیار کریں بلحاظ تناسب اقلیت میں رہتے ہیں۔ جو صورت معاملہ یہاں ہے وہی حق کے اختیار کرنے میں بھی ہے۔

انسان میں ایک طرف بھلائی اور فائدے کی خواہش موجود ہے اور دوسری طرف اس میں سہولت پسندی اور آرام طلبی کا رجحان بھی کار فرما ہے۔ بھلائی اور فائدے پر محنت صرف ہوتی ہے اور محنت صرف کرنے میں آرام طلبی کا رجحان نفع ہوتا ہے۔ ان دونوں رجحانات کی کشمکش کے تحت آدمی کو عجیب قسم کے ذہنی احوال پیش آتے ہیں۔ وہ کبھی قریب کے چھوٹے فائدے کو دور کے بڑے فوائد پر ترجیح دیتا ہے، وہ کسی فوری مشقت سے بچنے کے لئے بعد کی تکلیف کو گوارا کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، وہ تھوڑی محنت کر کے تھوڑا سا فائدہ حاصل کرنے کو اس سے زیادہ پسند کرنے لگتا ہے کہ زیادہ محنت کر کے زیادہ بڑا فائدہ حاصل کرے۔

اب چونکہ حق یا باطل کو قبول کرنے پر انسان کو فطری جبریت میں مبتلا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اسے اختیار دیا گیا ہے

کہ وہ آزادی سے خود انتخاب کرے۔ اس وجہ سے خالص حق کی گواہی بہادری اور دولت کو حاصل کرنے کے لئے محنت و ایثار کی بھاری قیمت ادا کرنے والے مردانِ جہری کم ہوتے ہیں اور حق و باطل کے سستے مرکبات کے لئے محنت و ایثار کی تھوڑی پونجی صرف کرنے والے زیادہ نکلتے ہیں۔ جیسے سستے مال کے گاہک ہمیشہ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اگر انسانوں کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ حق و باطل میں سے خود کسی ایک کو انتخاب کریں اور ساری زندگی اس کی خدمت میں صرف کر دیں تو ظاہر بات ہے کہ اس آزادی کے تحت یہ واقعہ ہونا کچھ بھی بعید نہیں کہ ایک بڑی اکثریت خالص حق سے اعراض کرے، پھر وہ کسی غلط اصول اور باطل نظام کی علمبردار بنے، وہ اس کے لئے دعوت پھیلائے، وہ اس کے لئے منظم ہو، وہ اس کے لئے ذرائع و وسائل جمع کرے، وہ اس کے لئے لڑائیاں لڑے، وہ اس کے لئے لٹریچر اور نظامِ تعلیم فراہم کرے، وہ اس کے سامنے ساری دنیا کی گردن جھکانے میں مصروف ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس کا غلبہ عالمگیر ہو اور وہ تاریخ کے ایک طویل دور پر چھا جائے۔

ایسا ہی ایک دور ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں، اور اس میں باطل کا غلبہ دیکھ کر بظاہر اتنی مرعوبیت طاری ہوتی ہے کہ غلبہ حق کے امکان سے مایوسی ہوتی ہے حالانکہ یہ دوسرا امکان بھی اسی طرح موجود ہے! باطل کے غلبے کے لئے اس کے حامیوں کی بہت بڑی اکثریت جتنا کام کرتی ہے، وہی کام حق کے حامیوں کی نسبت بہت کم تعداد میں انجام دے سکتی ہے اور باطل حق کا ایک مختصر گروہ اگر معیاری درجے کا ہو تو وہ ساری انسانیت کو اپنے آگے بھیر بکریوں کے ایک ریوڑ کی طرح ہانک سکتا ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو آدھر کی کثرت اور دوسرے کی قلت کا توازن (BALANCE) برابر کر دیتا ہے۔

(باقی آئندہ)